اسلامی انقلاب کی نفیر

جناب محمد نصر اللہ خان خازن

(۲)

یہ جو کچھ ہو رہا ہے ایک منصوبہ کے تحت ہو رہا ہے اور اُن منصوبوں کا ایک حصّہ ہے، جو صدیوں پہلے تیار کئے گئے تھے۔ اب اس منصوبے کو بتدریج دُنیا میں نافذ کیا جا رہا ہے۔ شروع میں استعماریوں نے کسی جگہ ایک سکول کی بنیاد رکھی۔ ہم ٹس سے مس نہ ہوتے۔ آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھے رکھی۔ اور بھی بہت سے ہماری طرح غفلت کا شکار ہوتے۔ پھر یہ غفلت بڑھتی رہی اور اب آپ دیکھیے تمام دیہات و قصبات میں ان کے اسکول اور کالج ہیں۔ ان سکولوں اور کالجوں میں انہوں نے ہمارے بچوں کو اسلام سے بیگانہ رکھنے کی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ ہماری پسماندگی، ضعف و اضمحلال اور بدبختی کا اصل سبب یہی منصوبہ بند تعلیمی نظام ہے۔ وہ ہماری دولت، ہمارے معدنی ذخائر، زرعی پیداوار اور افرادی قوت سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اِدھر ہم ہیں کہ بدبختی کا شکار ساری دُنیا میں غربت و افلاس کے ہاتھوں جُوتیاں چٹخا رہے ہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامی نے فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کا جو علاج تجویز کیا تھا، اُس سے ہم بے خبر ہیں۔ اُدھر ہمارے یہ "مہربان" اور اُن کے یہ چیلے چانٹے ہیں کہ اپنے محلوں اور بنگلوں میں بیٹھے ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اغیار کی اس منصوبہ بندی کا مشاہدہ آج ہماری یونیورسٹیوں اور دینی درس گاہوں میں کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ جب کوئی اسلامی حکومت کے موضوع پر اظہار خیال کرنا چاہے تو اُسے اپنے نظریات کے بارے میں تقیّہ سے کام لیے بغیر

چارہ نہیں۔ ورنہ استعمار کے یہی کارندے اسلام پر برس پڑیں گے۔ حتیٰ کہ جب میری یہ کتاب پہلی بار پریس میں گئی تو شاہ کے گماشتوں نے عراق میں اس کا بدلہ لیا۔ ان لوگوں سے وہ مایوس کن حرکات سرزد ہوئیں جن کا کسی کو بھی فائدہ نہ تھا۔ یہی نہیں! ہمیں یہاں تک معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ جنگی لباس پہننا بھی اخلاقی مروت اور اجتماعی عدل و انصاف کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے ائمہ کرام حضرات علیہم السلام امت کی خاطر جنگی لباس پہنتے، ہتھیار بند رہتے اور ہمہ وقت مصروفِ جہاد رہتے تھے۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام جنگی لباس پہن کر گلے میں تلوار حمائل کرتے تھے اور یہی سنت حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی تھی۔ اور اگر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو موقع ملتا تو وہ بھی اور ان کے اخلاف بھی ضرور ایسا ہی کرتے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جنگی لباس پہننا اخلاقی مروت اور اجتماعی عدل و انصاف کے خلاف ہو۔ ہم تو اسلامی حکومت کی تشکیل کے داعی ہیں۔ تو کیا ہم صرف عمامہ اور عبا پہننے ہی کو برحق تسلیم کریں، اس اصول کی بنا پر کہ باقی چیزیں پہننا مروت اور اجتماعی عدل کے خلاف ہے؟

آج ہم جن مصائب سے دوچار ہیں یہ انہی گمراہ کن افکار و نظریات کا ثمرہ ہے۔ لہٰذا اس وقت ہمیں چاہیے کہ ہم سر توڑ کوشش کر کے یہ ثابت کریں کہ اسلام نے ہمیں اسلامی حکومت کے قیام کے لیے اصول و مبادی دیے ہیں۔ یہ ہماری اوّلین ضرورت ہے۔ کیونکہ دشمن اسلام قوتیں اپنے گماشتوں کے تعاون سے مسلسل عوام میں اس طرح کی لغو اور خلافِ حقیقت باتیں راسخ کر کے ان کے ذہنوں کو مسموم کر رہی ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے سیاسی نظریات اور قانونی نظام کو عملی زندگی سے دور رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے۔ استعمار کی ان تخریبی سرگرمیوں اور ضعف و اضمحلال کے ان عوامل پر غور و فکر سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارے اہل وطن اپنے دشمنوں کی مادی ترقی کے مقابلے میں احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جب بعض قوموں کو صنعتی اور سائنسی میدان میں ترقی کرتے دیکھتے ہیں تو ہمارے بعض اہل وطن اس احساس کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہماری اس پسماندگی اور کمزوری کا اصل سبب ہمارا دین ہے، لہٰذا مادی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ہم دین و شریعت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں اور اسلامی عقائد و تعلیمات کو خیر باد کہہ دیں۔ جب غیر مسلم قومیں چاند پر جانے لگتی ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ہمیں اس سے روک رہا ہے۔

میں ان سے کہتا ہوں کہ تسخیر کائنات کے سلسلے میں مشرقی بلاک اور مغربی بلاک کی موجودہ خیرہ کن ترقی اور چاند پر اُن کا پہنچنا اُن کے قوانین کا مرہونِ منت نہیں ہے۔ کیونکہ تسخیر کائنات کے بارے میں دونوں بلاکوں کے اندر اندازِ فکر اور لائحہ عمل میں بُعد المشرقین ہے۔ بہرحال یہ لوگ خواہ مریخ پر چلے جائیں یا کہیں اور، شرفِ انسانی میں کسی اضافہ، دُنیا میں اخلاقی فضائل کے فروغ اور انسان کو مادی ترقی کی طرح رُوحانی ترقی سے بہرہ ور کرنے سے ہمیشہ قاصر رہیں گے۔ یہ انسان کے اجتماعی مسائل کے حل سے کبھی بھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ اس لیے کہ انسان کی جملہ مشکلات کے حل اور اُس کی نامرادیوں کے ازالہ کے لیے عقیدہ کی جس صالحیت اور اخلاق کی جس پاکیزگی کی ضرورت ہے اس سے یہ یکسر محروم ہیں۔ خلاء اور کائنات کی تسخیر کے لیے مطلوب مادی وسائل رُوحانی اور اخلاقی ارتقاء میں کسی کام نہیں آسکتے۔ یہ ساری دولت و ثروت، یہ سارے مادی ذرائع و وسائل اگر انسان کی معاشی پریشانیوں کا علاج کرسکتے ہیں اور اُس کی معاشرتی فلاح و بہبود میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں اور اس کی اجتماعی زندگی کو عدل و انصاف پر قائم اور متوازن کرسکتے ہیں تو صرف اس صورت میں جب کہ انسان ایمان کی دولت سے بہرہ ور اور اسلامی عقیدہ و اخلاق سے مزیّن ہو۔ اسلامی عقائد و نظریات اور اسلامی اخلاق و قوانین کے امین صرف ہم ـــــ اہل اسلام ـــــ ہیں۔ صرف یہ دیکھ کر کوئی چاند پر جارہا ہے اور کوئی سائنسی ایجاد کر رہا ہے۔ ہمیں اپنے دین و شریعت کو خیرباد نہیں کہہ دینا چاہیے۔ یہ دین اور یہ شریعت حیاتِ انسانی سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ انسان کے حقیقی صلاح و فلاح اور دُنیا و آخرت میں اس کی سعادت کے لیے نسخہ کیمیا صرف اور صرف اسلام ہی کے پاس ہے۔

استعماری قوتیں ہمارے عوام کے اندر اس طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں "شریعت اسلامی میں نظامِ حکومت کا کوئی تصور نہیں۔ نہ اس میں نظامِ حکومت کے مختلف ادارات کا کوئی وجود ہے، اور اگر بالفرض محال ہے بھی تو وہ قوتِ نافذہ کا محتاج ہے۔ اس میں صرف تشریع ہے اور بس"۔ ظاہر ہے یہ پروپگنڈا بھی ان سازشوں کا ہی ایک حصہ ہے۔ جو مسلمانوں کو سیاست، حکومت اور ملکی معاملات سے دُور رکھنے کے لیے کی جارہی ہیں۔ یہ بات ہمارے اس نظریے کے خلاف معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر ہم نے آغازِ کلام میں کیا ہے۔ ہم "ولایت" پر یقین رکھتے ہیں۔ اس بات کی ضرورت پر بھی ہمارا اعتماد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خلیفہ کا تعین کیا ہے اور بالفعل کیا ہے۔

تعیین خلیفہ سے مراد کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ حیات انسانی کے بارے میں چند احکام بیان کر دیئے جائیں؟ اس سے مراد محض احکام کا بیان کرنا ہی ہو تو اس صورت میں خلیفہ کی کوئی حاجت نہیں۔ اس کے لیے تو صرف یہی کافی تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں اسلامی احکام کی عام تشہیر کرتے اور اپنے پیچھے ایک لکھی لکھائی کتاب چھوڑ جاتے تاکہ بعد کے لوگ اس سے استفادہ کرتے رہتے درحقیقت جہاں تک میں سمجھتا ہوں ——— خلیفہ کے تقرر کا اصل مقصد تنفیذ احکام ہے ———

جب تک کسی قانون کی پشت پر اس قانون پر خلوص کے ساتھ ایمان رکھنے والی قوتِ نافذہ نہ ہو، عوام کے دلوں میں نہ اُس کا احترام و وقار پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کا نفاذ ممکن ہوتا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہے کہ محض قانون بنائے گئے ہوں اور انہیں نافذ و جاری کرنے کی ضرورت نہ محسوس کی گئی ہو۔ یا اُن کے نافذ کرنے کے لیے کوئی مقتدر ادارہ وجود میں نہ لایا گیا ہو۔ محض قوانین بنانے سے کیا فائدہ؟ وضع قانون کے ساتھ نفاذِ قانون ایک لازمی چیز ہے جس کے بغیر معاشرہ ضعف و اضمحلال اور فتنہ و فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تنفیذ احکام کے لیے قوتِ نافذہ کا فراہم کرنا نہایت ضروری قرار دیا ہے۔

ولی الامر (صاحبِ امر) ہوتا ہی وہ شخص ہے جس کے پاس قوانین نافذ کرنے کے پورے اختیارات ہوں۔ یہی فریضہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے فریضۂ رسالت ہی انجام نہیں دیا۔ اور یہ عقل و نقل کے خلاف بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام کے محض بیان و تبلیغ پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ سوسائٹی میں انہیں حکومت کے زور سے نافذ اور جاری کیا ہے۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قانون کے محض معلم و مبلغ ہی نہ تھے بلکہ اُسے صاحبِ اختیار (اقتدار) کی حیثیت سے نافذ کرنے والے بھی تھے۔ آپ مجرموں کو سزائیں دیتے تھے۔ چور کا ہاتھ کاٹتے شادی شدہ زانی یا زانیہ کو کوڑوں کی ، اور شادی شدہ زانی یا زانیہ کو سنگسار کرنے کی سزا دیتے اور ریاست میں عدل و انصاف قائم کرتے تھے۔ خلیفہ کا بھی یہی فرض ہے اور اس سے ایسی بات کا تقاضا کیا گیا ہے۔

خلیفہ محض واضع قانون یا مبلغ قانون ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ خلیفہ کے ہاتھ میں وہ طاقت اور اختیار ہوتا ہے جس سے وہ ملک میں قانون نافذ کرتا ہے اور اِس سے حکومت کے قیام اور اُس میں قانون نافذ کرنے والے ادارات کی تشکیل و تنظیم کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے جس سے "ولایت فقیہ" کا عقیدہ جزو ایمان ہے۔ اس مقصد کے لیے جدوجہد کرنا "ولایت" پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔

آپ لوگوں کا فرض ہے کہ اسلام کو آج دنیا میں غالب و نافذ کرنے کا حق ادا کریں۔ عوام کو "ولایت" سے روشناس کرائیں اور اُن پر یہ حقیقت واضح کریں کہ "ولایت" ہمارے عقیدے کا جزو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے خلیفہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی طرح ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام اشد ضروری ہے۔ اسی لیے ہم اللہ کے قانون اور اُس کی شریعت کو دنیا میں نافذ کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ اسی لیے ہم عوام کے اجتماعی مسائل حل کرنے اور اُن کی سیاسی اور معاشرتی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی فکر کر رہے ہیں۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا ولایت پر ایمان لانے کا تقاضا اور اُس کا مظہر ہے۔ ضروری ہے کہ آپ آگے بڑھ کر عوام میں اسلامی حکومت، اسلامی دستور اور اسلامی قوانین کی وسیع پیمانے پر بلاکم وکاست تبلیغ و تشہیر کریں۔ اسلامی حکومت کے قیام کا فریضہ بلاخوف لومۃ لائم پوری تندہی اور خود اعتمادی کے ساتھ انجام دیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر عاید کردہ فرض ہے۔ اسی کی توفیق و نصرت کی اُمید پر اُس کی ادائیگی میں اپنا سب کچھ لگا دیں۔

استعماری قوتیں گذشتہ تین صدیوں سے اپنی تیاری میں مصروف ہیں۔ اُنھوں نے صفر سے آغاز کیا تھا اور اب وہ اپنے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو چکی ہیں۔ آج ہمیں بھی صفر سے آغاز کرنا ہے۔ اہل مغرب اور اُن کے آلہ ہائے کار کو اب مزید مہلت نہ دیں۔ عوام کو اسلام سے روشناس کرائیں تاکہ نوجوان نسل یہ نہ سمجھے کہ علمائے اسلام نجف اور قم کے گوشہ ہائے عزلت میں بیٹھے دین کو سیاست سے علیحدہ سمجھتے ہیں اور انہیں حیض و نفاس کے مسائل کے سوا اور کسی چیز میں مہارت نہیں ہے۔ سیاست سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں نہ سیاسی اور اجتماعی مسائل میں درک حاصل ہے نہ اُن میں یہ اہلیت ہے وغیرہ وغیرہ۔

استعمار نے ہمارے نصاب تعلیم میں یہ بات بڑی ہوشیاری کے ساتھ داخل کر دی ہے کہ دین کا حکومت اور ملکی مسائل سے الگ رہنا آج کے دور میں انتہائی ضروری ہے۔ میں پوچھتا ہوں، کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دین سیاست سے علیحدہ تھا؟ کیا اُس زمانے میں کچھ ماہرین دین تھے اور کچھ ماہرین سیاست؟ اور پھر کیا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اور پھر کیا حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں سیاست دین سے علیحدہ تھی؟ اور کیا اس

مبارک زمانے میں دین کا ڈھانچہ الگ اور سیاست کا الگ تھا؟

غیر ملکی استعمار اور نظامِ باطل کے علم بردار یہ پروپاگنڈا دین کو انسان کی اجتماعی زندگی اور اس کے مسائل سے الگ رکھنے کے لیے کرتے ہیں۔ ضمناً وہ علمائے اسلام کو عوام سے دُور اور عوام کو علماء سے الگ تھلگ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ علماء مسلمانوں کی آزادی و استقلال کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اگر دین کو سیاست و حکومت سے جدا رکھنے کی کوشش کامیاب ہوتی ہے تو وہ بآسانی ہماری دولت و ثروت بھی لوٹتے ہیں اور ہم پر حکومت بھی کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہمارا مقصدِ زندگی صرف نمازیں پڑھنا، دعائیں مانگنا اور خدا کا ذکر کرنا ہی ہو اور اس سے زیادہ کچھ نہ ہو تو یقین جانیں استعمار اور استعمار پرستوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ جب چاہیں نماز پڑھیں جب چاہیں اذان دیں اور اللہ جتنا ثواب دے لیتے جائیں۔ ثواب کتنا اور کیا ہوگا۔ اس کا حساب اللہ کے ذمہ رہنے دیں۔ اللہ کے سوا طاقت و توفیق کا مالک اور کون ہے؟ موت کے بعد ہمارا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ جب ہماری سوچ ہی یہ ہو تو پھر نہ ہم پر کوئی ذمہ داری ہے۔ نہ ہمیں کسی بازپرس کا کوئی اندیشہ! کیا دین کا تقاضا صرف یہی ہے اور بس!

ایک دفعہ عراق میں برطانوی استعمار کے ایک افسر نے جب اذان سنی تو اس سے دریافت کیا کہ "برطانوی سیاست کو اس سے کیا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے"؟ اُسے بتایا گیا کہ "اس سے کوئی خطرہ نہیں" اُس نے جواب دیا "اچھا! تو پھر جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، اُسے کہنے دو، اور جب تک جی چاہے کہتا رہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں"۔ یہ ہے اُن کا اندازِ فکر! جب تک آپ استعمار کی سیاست میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں اور علمی دائرے میں رہ کر دینی علوم کے پڑھنے پڑھانے میں لگے رہیں تو آپ سے انھیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔ جتنی چاہیں نمازیں پڑھیں اور جتنا چاہیں اللہ کی یاد کرتے رہیں۔ اُنھیں تو صرف آپ کے تیل اور پٹرول سے غرض ہے۔ آپ کی نمازوں سے انھیں کیا کام؟ اُنھیں تو آپ کے معدنی ذخائر درکار ہیں! ہمارے ملک میں انھیں اپنے مال کی منڈی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ملک میں ایسی کٹھ پتلی حکومتیں دیکھتے ہیں جن کی نظر صرف ملک کی صنعتی ترقی پر ہے۔ انھیں دولت سمیٹنے کے لیے صرف کارخانے درکار ہیں اور بس! غیر ملکیوں کی یہ خواہش ہے کہ ہم بااصول و باضمیر انسانوں کے معیار تک نہ پہنچنے پائیں۔ کیونکہ انھیں باضمیر اور بااصول انسانوں

سے خوف آتا ہے۔ جب وہ کسی جگہ کسی باضمیر و بااصول انسان کو دیکھ لیتے ہیں تو اُس سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ شخص سب سے نمایاں اور سب کا منظورِ نظر ہوتا ہے۔ اس کی سیرت و کردار کے اندر اتنی جاذبیت ہوتی ہے کہ پورے معاشرے کو اپنی پرکشش شخصیت سے متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ اگر ایسے شخص کی قیادت و راہنمائی میں لوگ اُٹھ کھڑے ہوں تو وہ عمارت ہی دھڑام سے زمین بوس ہو جائے جس کی تعمیر پر دشمن نے ایک طویل عرصہ صرف کیا ہوتا ہے۔ ظلم و جور اور خیانت و غداری کے پاؤں تلے سے زمین کھسک جاتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی بااصول و باضمیر انسان انہیں نظر آتا ہے، وہ اُس کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اور کرائے کے قاتل حاصل کرتے ہیں۔ یا ناکامی کی صورت میں

کا ڈھنڈورہ پیٹنے لگتے ہیں یا پھر جلا وطن کر دیتے ہیں یا پھر اُس پر یہ تہمت چسپاں کر دیتے ہیں کہ یہ "سیاسی آدمی ہے۔" "یہ سیاست باز عالم ہے"۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاسی نہ تھے؟ کیا آپ نے سیاست میں حصہ نہ لیا۔ کیا سیاست میں حصہ لینا کوئی عیب ہے؟

یاد رکھیں یہ سب باتیں دشمنانِ اسلام اور ان کے کارندوں کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آپ کو قومی سیاست سے، ملکی مسائل سے اور اجتماعی معاملات میں حصہ لینے سے باز رکھیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ظالم و خائن اور عوام کا خون چوسنے والے حکمرانوں کو کرسیٔ اقتدار سے نہ ہٹائیں۔ بلکہ اُن کی کوشش یہ ہے کہ اُن کی من مانیوں کے لیے فضا ہموار رہے اور وہ جس طرح چاہیں کریں۔ جہاں چاہیں فتنہ اُٹھاتے پھریں لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو جب چاہیں لوٹیں اور کوئی انہیں روکنے اور ٹوکنے والا نہ ہو۔

(ختم شد)

(بقیہ تذکرۂ انبیاء)

جس کی شکل گدھے کی تھی۔ سبا کے قدیم کتبوں میں اس کا نام نسور لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس کے مندر کو وہ لوگ بیت نسور، اور اس کے پجاریوں کو اہلِ نسور کہتے تھے۔ قدیم مندروں کے جو آثار عرب اور اس کے متصل علاقوں میں پائے جاتے ہیں ان میں سے بہت سے مندروں کے دروازوں پر گدھے کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

(باقی)